رئیس احمد جعفری

اغانی

عربی ادب کا لعلِ شب چراغ

دنیا کی زبانوں میں عربی زبان وسعت اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ الفاظ کی کثرت پر غور کیجئے تو عربی ادب کا ذخیرہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں بہت ممتاز اور نمایاں ہے اور پھر یہ کثرت صرف اس اعتبار سے قابلِ ذکر نہیں کہ الفاظ کی فہرست بہت طویل ہے۔ فہرست کا بجائے خود طویل ہونا بھی ایک بات ہے۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ یہ الفاظ مختلف المعنی ہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے ایک ایک مفہوم کے لئے بہت سے الفاظ ہیں۔ جن لوگوں نے عربی زبان کی مایہ ناز کتاب "مقاماتِ بدیع الزمان ہمدانی" کا مطالعہ کیا ہے انہیں قدم قدم پر یہ حقیقت واشگاف نظر آئے گی اور ایک مقامات بدیع الزمان ہی پر کیا منحصر ہے، ادب اور محاضرات کی کتابوں میں بہت سی ایسی کتابیں شامل ہیں جو ندرتِ الفاظ و قوافی کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔

عربی زبان کی ایک اور عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس کا حال کبھی بھی ماضی سے اپنا رشتہ منقطع نہ کرسکا۔ کوئی عرب، عربی ادب کا اسوقت تک ماہر نہیں تسلیم کیا جاسکتا جب تک وہ ادبی اعتبار سے ماضی اور حال کا جامع نہ ہو۔ اسلام کی نہضت نے عربِ جاہلی کے ادب، تہذیب، ثقافت، معاشرت، رسم و آئین، وضع و طریق، اندازِ فکر و عمل، زبان و ادب، فصاحت و بلاغت ہر چیز میں ایک زبردست انقلاب پیدا کردیا۔ لیکن اسلام کے عہد عروج و ارتقا میں بھی ادبِ جاہلی کا پایۂ استناد برابر قائم رہا۔

پھر عرب اپنے ملک کی تنگ نائے سے نکلے اور ساری دنیا پر چھا گئے۔ وہ جہاں بھی پہنچے اسلام اور عربی زبان کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ رفتہ رفتہ عربی صرف عربوں ہی کی نہیں، بہت سے غیر عربوں کی بھی مادری زبان بن گئی۔ پھر وہ دور آیا کہ عربوں کا عروج ختم ہوگیا۔ بہت سی قوموں کے ساتھ متنوع قسم کے تعلقات قائم کرنے پر وہ مجبور ہوگئے کہیں محکوم کہیں نیم محکوم۔ اختلاط و امتزاج کے ایسے مواقع پر ایک زبان دوسری زبان سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ ہر زبان کچھ لیتی ہے کچھ دیتی ہے۔ نپولین مصر کا فاتح بن کر قاہرہ پہنچا تو وہ ہمیشہ کے لئے نہیں رہ پڑا۔ تھوڑے ہی دن رہا لیکن اس مختصر سی مدت میں بھی عربی اور فرانسیسی ایک دوسرے سے متاثر ہوئیں۔ فرانسیسی ہمارے دائرہ بحث سے فی الحال خارج ہے۔ جہاں تک عربی کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے فرانسیسی زبان کے بہت سے الفاظ قبول کر لئے خاص طور پر علمی، سائنسی اور اصطلاحی الفاظ تو بڑی بے تکلفی سے اپنا لئے۔ جدید عربی زبان کا علمی لٹریچر اس شخص کی سمجھ میں قطعاً نہیں آسکتا جو فرانسیسی زبان کے الفاظ سے ناآشنا ہو۔ اس اختلاط و امتزاج نے عربی زبان کا دامن اور زیادہ وسیع کردیا۔ اس نے صرف فرانسیسی ہی سے نہیں انگریزی اور دوسری زبانوں سے بھی الفاظ مستعار لئے لیکن "جدید" کی طرف اس تیز رفتاری سے بڑھنے اور لپکنے کے باوجود "قدیم" ادب

سے بے نیاز نہیں ہوسکی مسلمانوں کو چھوڑئیے آج مصر، شام اور لبنان میں غیر مسلم عربوں کی جو درسگاہیں ہیں وہاں کی درسی اور نصابی کتابوں میں فصاحت وبلاغت کا سب سے بڑا معیار قرآن ہی ہے!

دوسری زبانیں غیر زبانوں کے الفاظ لیتے ہوئے جھجکتی ہیں، اور ان کا استعمال اس طرح کرتی ہیں کہ اجنبیت نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتی لیکن عربی زبان اس اعتبار سے بھی یگانہ اور منفرد ہے۔ معرّب الفاظ کی فہرست بڑی لمبی ہے یعنی وہ الفاظ جو دوسری زبانوں سے عربی زبان میں داخل ہوگئے۔ اور جیسے ہی داخل ہوئے ان پر عمل تعریب شروع ہوگیا یعنی ان کا حلیہ اس طرح بدلا گیا کہ ان "نو عرب" اور "قدیم عرب" الفاظ میں کوئی مغائرت نہیں باقی رہ گئی۔ گوشت اور ناخن کا تعلق قائم ہوگیا۔ دونوں میں بغیر بڑے بڑے لغت دیکھے ہوئے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ کون لفظ عربی ہے اور کون معرب؟ اور یہ تعریب کا فن کچھ نئے زمانے کی پیداوار نہیں، عرب جاہلیت میں بھی یہ اصول رائج تھا۔ جب اور اب میں فرق صرف پیمانہ کا ہے۔ چنانچہ محققین نے بڑی کاوش، دیدہ کاوی اور عرق ریزی سے ایسے کئی الفاظ تلاش کئے ہیں جو قرآن کریم میں ہیں لیکن خالص عربی نہیں کسی دوسری زبان سے لئے گئے معرب ہوئے اور رفتہ رفتہ عرب وعجم کا فرق مٹ گیا۔

عربی زبان کی ایک اور خصوصیت جس میں کوئی دوسری زبان اس کی شریک وسہیم نہیں یہ ہے کہ ہر عرب خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، عربی کا پرستار ہے، جس طرح اپنے وطن پر فخر ہے، اسی طرح وہ اپنی زبان پر بھی نازاں ہے۔ اس میں مسلمان، عیسائی، قبطی کا سوال کبھی نہیں پیدا ہوا۔ موجودہ زمانہ میں بھی جب بہت سی نئی عصبیتیں پیدا ہوگئی ہیں، یہ کیفیت بدستور قائم ہے۔ آج بھی عربی زبان وادب کی خدمت جس تندہی اور جانفشانی کے ساتھ عیسائی کر رہے ہیں، مسلمان ان سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔ جو شخص عربی کا حرف آشنا بھی ہے وہ عربی کے مختصر لیکن جامع لغت "المنجد" سے ناواقف نہیں ہوسکتا۔ یہ مصر سے شایع ہوا ہے۔ اور ایک عیسائی کی محنت کا پھل ہے۔ قدیم عربی ادب کے حفظ وبقا کے سلسلہ میں غیر مسلم عرب اہل قلم نے جو وقیع اور غیر فانی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ کبھی بھی فراموش نہیں ہوسکتے۔ خاص طور پر سینکڑوں، ہزاروں صفحات کی ضخیم کتابوں کے ایسے منتخبات کہ اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہ بڑھایا جائے صرف اصل کتاب کے غیر ضروری الفاظ حذف کرکے اس کا عطر نکال لیا جائے، زیادہ تر غیر مسلم عرب مصنفین ہی کی کدوکاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ عربی زبان کا سرمایہ محفوظ ہوگیا۔ بلکہ قدیم اور جدید ادب کے مابین ربط وتعلق قائم رکھنے کے جذبہ کو اور زیادہ استحکام حاصل ہوگیا۔ مثلاً موجودہ زمانہ میں ہر شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ "اغانی" کے "طلسم ہوش ربا" جیسے ضخیم مجلدات خریدے اور پڑھے۔ خریدنے کو غیر معمولی سرمایہ چاہئے۔ پڑھنے کو غیر معمولی وقت درکار ہے۔ اس لئے اغانی کا خلاصہ "رنات المثالث والمثانی فی روایات الاغانی" کے نام سے دو حصوں میں شائع ہوا۔ پہلا حصہ چند سو صفات پر مشتمل ہے اور صرف روایات ادبی کا مجموعہ ہے دوسرا روایات تاریخی کا مجموعہ ہے جو عہد قبل از تاریخ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ یہ وہ تاریخ ہے جو کہانیوں، روایتوں، شعروں اور افسانوں کا لباس پہن کر نمودار ہوتی ہے۔ دونوں حصوں کی افادیت اور اہمیت مسلم ہے لیکن ان سے عام استفادہ ناممکن تھا، اگر ایک مستند اور جامع خلاصہ نہ تیار کرلیا جاتا۔ ہم ہر روز اس حقیقت کو زیادہ نمایاں دیکھ رہے ہیں کہ عربی زبان کے برعکس اردو زبان کے قدیم اور جدید ادب کے درمیان ناواقفیت، اجنبیت اور بیگانگی کی ناقابل عبور خلیج پیدا ہوچکی ہے، جسکی وسعت میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ صرف اس لئے

کہ ہم عملی طور پر اب تک اپنے قدیم اور جدید ادب کے درمیان ربط و تعلق نہیں پیدا کر سکے ہیں۔

عربی ادب میں "اغانی" کو غیر فانی مقام حاصل ہو چکا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب عربی لٹریچر کا لعل شب چراغ ہے۔ بظاہر یہ داستانوں اور روایتوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن حقیقتاً اموی اور عباسی عہدِ حکومت کی ایک تصویر گویا ہے۔

اس زمانہ میں فقر و فلاکت کے مفہوم سے بھی لوگ نا واقف تھے۔ بے کاری اور بے روزگاری کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ عسرت اور بے چارگی کے ذکر سے بھی ان کے کان نا آشنا تھے۔ دولت کی پیداوار اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ غیر مساوی تقسیم دولت کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

بہر حال یہ ایک دور تھا خلافتِ راشدہ اور حکومتِ الٰہی کے دور سے اگرچہ بالکل مختلف اور متضاد لیکن دوسرے فرمانرواؤں اور کشورکشاؤں کے مقابلہ میں بے انتہا برتر اور بہتر۔ اسی دور کے منعمات کا "کتاب الاغانی" ایک مرقع ہے ؎

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ ہم اک حرفِ غلط
لیک اُٹھے بھی تو اِک نقش بٹھا کر اُٹھے

ابو الفرج علی بن حسین بن محمد بن احمد بن الہثیم بن عبد الرحمٰن بن مروان بن عبد اللہ بن مروان بن محمد بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی امامِ دوراں، علامۂ وقت، ملقب بہ کاتب بن محمد، ابو الفرج کے اجداد میں سے تھا۔ اس کی ولادت معتضد باللہ کے عہد میں اصفہان میں ہوئی۔ بغداد میں نشو و نما کے مراحل طے کئے، حدیث کی سماعت بھی کی، اور اس فن میں باریک بینی اور نکتہ سنجی کا ثبوت دیا۔ اوائل عمر ہی سے مدینۃ السّلام (بغداد) کو وطن بنالیا۔ وہ وہاں چوٹی کے ادیبوں اور مصنفوں میں شمار ہونے لگا۔ علما کی بہت بڑی تعداد سے روایت کی، شاعری کا پایہ بھی بہت بلند تھا، افراد و قبائل کے حسب و نسب پر بھی بڑا عبور تھا، باوجود اموی ہونے کے شیعی تھا جس پر ابن اثیر نے حیرت کا اظہار کیا ہے۔ قبائل کے حرب و پیکار کی تاریخ پر بھی بہت اچھی نگاہ تھی، انساب و سوانح کا بھی بہت بڑا عالم تھا۔

تنوخی کا قول ہے "جن اربابِ فضل و کمال کی میں نے زیارت کی ہے۔ ان میں ابو الفرج اصبہانی ایک ایسا شخص تھا جو بے شمار اشعار کا حافظ تھا اور اغانی بعض راگوں کا بہت بڑا واقف کار اور مورخ تھا۔ فن حدیث میں بھی اسے اچھا خاصہ درک تھا، آثار صحابہ و تابعین کا بھی وہ عالم تھا، احادیث مسندہ کا بھی ماہر تھا اور فن نسب میں بھی اسے غیر معمولی عبور تھا۔ سچ تو یہ ہے میں نے اس کی سی قوت حافظہ کسی میں نہیں دیکھی۔ مذکورہ بالا علوم و فنون کے علاوہ لغت، نحو، داستان گوئی، سوانح و سیر اور مغازی کے فنون میں بھی وہ اپنی نظیر آپ تھا، اور لوازم علم مجلسی از قسم بیطاری، شکاری پرندوں کا علم، طب اور نجوم وغیرہ سے بھی باخبر تھا۔ اس کے اشعار میں علماء کے کلام کی سی پختگی اور ظریف الطبع اصحاب کی سی خوبیاں تھیں۔ کتابیں اچھوتی اور بے مثل لکھیں۔ انہیں میں سے "کتاب الاغانی" ہے۔ جس کے متعلق اربابِ نظر کا اتفاق ہے۔ کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکی ہے۔"

ابو محمد المہلبی[1] کا قول ہے کہ میں نے ابو الفرج سے پوچھا۔ یہ روایت و آثار تم نے کتنے عرصہ میں جمع کئے؟ کہا پچاس سال میں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ جب اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا۔ تو اس نے ایک ہزار دینار صلہ بھیجا۔ یہ خبر جب صاحب بن عباد[2] کو پہنچی تو اس نے کہا سیف الدولہ نے ناقدری کی۔ ابو الفرج تو اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا۔ قابلِ رشک محاسن اور فقروں کے بچے تلے استعمال میں اس کا کون حریف ہو سکتا تھا۔ اس کے الفاظ و فقرات ایک زاہد گوشہ نشین کے مایۂ تفریح، عالم تشنک کے لئے اضافۂ معلومات و مواد کا سبب، انشا پرداز اور جویائے ادب کے لئے پونجی اور تجارت، سپاہی اور دلاور کے لئے ہمت اور شجاعت کی ڈھال، تہی دست کے لئے ریاضت و ضاعت۔ بادشاہ کشور کشا کے لئے اسباب سرور و لذت ہیں۔ میرے کتب خانہ میں ایک لاکھ ستر ہزار کتابیں ہیں، لیکن اس سے بڑھ کر کوئی کتاب میری انیس نہیں تھی۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کی مجھے جستجو ہو اور وہ مجھے اس میں نہ مل گئی ہو۔ جو واقعات و حالات علماء نے اپنی ان گنت کتابوں میں تحریر کئے ہیں وہ سب اس میں حسنِ تالیف اور لطفِ بیان کے ساتھ موجود ہیں۔ سیف الدولہ کا تو یہ حال تھا کہ چاہے سفر میں ہو یا حضر میں اس کتاب کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کا ایک مسودہ بغداد کے بازار میں چار ہزار درہم میں فروخت ہوا۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ ابن عباد نفیس اونٹوں کے بوجھ جتنی کتابیں جو ادب و انشاء سے متعلق ہوتی تھیں، ہر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ لیکن جب اسے کتاب الاغانی دستیاب ہوئی تو اس نے سب کو سینت کر رکھ دیا۔ اور یہی کتاب اس کی ندیم[3] و دمساز بن گئی۔ کیونکہ پھر وہ دوسری کتابوں سے مستغنی ہو گیا۔

---

[1] ابو محمد الحسن بن ہارون الاسدی المہلبی معز الدولہ کی وزارت کے منصب پر بغداد میں فائز رہا۔ بصرہ میں وفات پائی (۳۵۲ھ، ۹۶۳ء)

[2] ابو القاسم بن اسماعیل بن عباد الطالقانی اپنے فضائل و مکارم کے اعتبار سے نادرۂ روزگار اور عجوبۂ عصر شخصیت کا مالک تھا۔ اسے "الصاحب" اس لئے کہتے تھے کہ ابو الفضل بن عمید کا مصاحبِ خاص تھا اور اس لئے بھی کہ بچپن سے مؤید الدولہ بن بویہ کا ساتھی تھا۔ بعد میں منصب وزارت پر بھی فائز ہوا۔ جب مؤید الدولہ نے وفات پائی اور اس کا بھائی فخر الدولہ تخت حکومت پر قابض ہوا تو اس نے اسے وزارت پر قائم رکھا۔ وفات کا سال ہجری ۳۸۵ھ اور عیسوی ۹۹۵ء ہے۔

[3] کتاب الاغانی کے خلاصے اور منتخبات مرتب کرنے کا کام ایک جماعت ہمیشہ انجام دیتی رہی۔ اس کے ایک فرد الوزیر حسین بن علی بن حسین ابو القاسم ہیں۔ جو ابن مغربی کے نام سے مشہور ہیں۔ سال وفات ۴۱۸ھ، ۱۰۲۷ء ہے۔

قاضی جمال الدین محمد بن سالم (المتوفی ۶۹۷ھ، ۱۲۹۷ء) نے بھی اس کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا جس کے متعلق ابو الفداء نے تعریفی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ ایا صوفیہ میں موجود ہے۔ شروع کے الفاظ سونے کے پانی سے دلکش بنائے گئے ہیں۔ ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔

ابو القاسم عبد اللہ معروف بہ ابن باقیا کاتب علی (المتوفی ۴۸۵ھ، ۱۰۹۲ء) نے بھی ایک جلد میں اس کا خلاصہ کیا تھا۔ ابن خلکان نے اسے سراہا ہے۔

جمال الدین محمد بن مکرم (المتوفی ۷۱۱ھ، ۱۳۱۱ء) نے بھی "مختار الاغانی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔

الرشید نے بھی ایک کتابچہ تیار کیا تھا۔ جس کا ابن مکرم نے ذکر کیا ہے۔

ابوالفرج کی منجملہ اور تصانیف کے ایک کتاب "نزہۃ الملوک والاعیان فی اخبار القیان المغنیات الاوائل الحسان" ہے جس میں مشہور ومعروف گانے والیوں کے حالاتِ زندگی اور ان کے طرز موسیقی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسے دلچسپ لطیفے اور پُر کیف حالات تحریر کئے ہیں جن سے ممکن نہیں آدمی لطف اندوز نہ ہو ایک کتاب "الاماء الشواعر" بھی ہے۔ "کتاب الدیارات" اور "دعوۃ التجار" بھی بہت مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں "مجرد الاغانی" "اخبار جحظۃ البرمکی" "مقاتل الطالبیین"[1] "کتاب الحانات" اور "کتاب آداب الغرباء" بھی کم معروف نہیں ہیں۔

اندلس کے شاہان بنی امیہ کے لئے بھی اصبہانی نے متعدد کتابیں لکھیں جو چوری چھپے وہاں بھیجی گئیں اور اسی طرح وہاں سے انعام بھی آیا۔ ان میں سے "نسب بنی عبد شمس" اور "ایام العرب الف وسبعماۃ یوم" "کتاب التعدیل والانتصاف"[2] "کتاب نسب المہالبۃ" "کتاب نسب بنی تغلب نسب بنی کلاب" اور "کتاب الغلمان المغنیین" ہیں۔

اوپر جن تصانیف کا تذکرہ ہوا۔ اس کے علاوہ بھی ابوالفرج کی متعدد تصانیف ہیں جن کا اصحاب تراجم وسیر نے ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم "کشف الظنون" وغیرہ کے حوالہ سے اس کی متعدد کتابوں میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مجموعۃ الاخبار والنوادر (۲) المحالیک الشعراء (۳) اعیان الفرس (۴) الفرق والمعیار بین الاوغاد والاحرار (۵) تحفۃ الوسائد فی اخبار الولائد (۶) تفضیل ذی الحجۃ (۷) کتاب الطفیلیین (۸) مناجیب الخصیان (۹) دیوان ابوتمام مرتب کیا اور اسکی ترتیب حروف پر نہیں بلکہ انواع کلام پر رکھی۔ مصر سے جو نسخہ شائع ہوا ہے وہ وہی ہے (۱۰) ابونواس کا دیوان بھی اسی طرح مرتب کیا۔ اور (۱۱) بحتری کا دیوان بھی۔

ابوالفرج وزیر مہلبی ہی کے دامن کرم سے وابستہ رہا اس کی شان میں اس نے متعدد قصائد لکھے ہیں۔ ایک جگہ اس کی مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے "جب ہم سائل بن کر اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں تو وہ مدد کرتا ہے اور احسان نہیں جتاتا"

۲۸۴ھ میں ابوالفرج کی ولادت ہوئی۔ اسی سال مشہور شاعر بحتری کی وفات ہوئی۔ ابوالفرج نے بدھ کے دن ۱۴ ذی الحجہ ۳۵۶ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ وفات سے قبل جنون میں مبتلا ہو گیا تھا۔

۳۵۶ھ وہ سن ہے جس میں دو بہت بڑے عالم اور تین بہت بڑے بادشاہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ علماء میں ایک تو خود ابوالفرج اصبہانی ہیں، دوسرے ابوعلی القالی۔ بادشاہوں میں (۱) سیف الدولہ (۲) معزالدولہ بن بویہ (۳) کافور الاخشیدی۔

کبھی کبھی ہجو سے بھی ابوالفرج اپنا دامن آلودہ کر لیتا تھا۔ جب ابوعبداللہ البریدی منصب وزارت پر فائز ہوا تو ابوالفرج نے ایک قصیدہ ہجویہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ تھا:- اے آسمان تو ٹوٹ کیوں نہیں پڑتا ؟

---

[1] ۱۳۰۷ھ میں یہ کتاب طہران سے شائع ہو چکی ہے۔

[2] آغانی میں اس کتاب کا ذکر ایک موقع پر اس طرح ہے "میں نے اس کی تشریح کتاب النسب میں کر دی ہے جس کے بعد کسی تشریح کی ضرورت نہیں ابن خلکان نے تو اس طرح بیان کیا ہے گویا کتاب التعدیل اور جمہرۃ النسب دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ لیکن درحقیقت کتاب ایک ہی ہے۔ صرف نام دو ہیں۔ خود ابوالفرج کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ خالد بن عبداللہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس کی پوری تفصیل "جمہرۃ النسب العرب" میں میں نے لکھی ہے جس کا نام "کتاب التعدیل والانتصاف" رکھا ہے۔

اے زمین تو دھنس کیوں نہیں جاتی ؟ کہ ابن البریدی وزارت پر آگیا ہے ۔

کوئی شبہ نہیں ابوالفرج کے انتقال سے ادب کے بستان و چمن ویران ہو گئے ۔ انساب کے شگوفے اور پھول مرجھا گئے ۔ ادبائے دہر یتیم ہو گئے ۔ لیکن جس نے ایسی زندہ جاوید کتابیں یادگار چھوڑی ہوں وہ مر نہیں سکتا اس کا ذکر ہمیشہ ہوتا رہے گا ۔ اس کی یادگار کبھی محو نہ ہو گی ۔ وما مات من ابقیٰ لنا ذخر علمہ واحیا لہ ذکراً علی غابر الدھر

حکمتِ رومی

مولانا جلال الدین رومیؒ کے افکار و نظریات ایسے دائمی حقائق ہیں جن کی اہمیت اور قدر و قیمت میں گردشِ زمانہ کوئی کمی نہ کر سکی اور ان کی مثنوی سے جس کو "قرآں در زبانِ پہلوی" کہا گیا ہے علامہ اقبال بھی ویسے ہی متاثر ہوئے جیسے کہ مولانا جامی ۔ حکمتِ رومی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی بلند پایہ تصنیف ہے جو ماہیت نفسِ انسانی ، عشق و عقل ، وحی و الہام ، وحدتِ وجود ، احترامِ آدم ، صورت و معنی ، عالم اسباب اور جبر و قدر جیسے اہم ابواب پر مشتمل ہے اور خلیفہ صاحب نے مولانائے روم کے افکار کا دوسرے حکماء کے خیالات سے موازنہ کرتے ہوئے ان کی ایسی حکیمانہ تشریح کی ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے ذہن و فکر کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور ان مباحث کے متعلق صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرنے میں مفید و معاون ثابت ہو گی ۔ قیمت تین روپے ۔

اسلامک آئیڈیالوجی مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۔ انگریزی زبان میں اسلامی نظامِ فکر کا ایک جامع اور واضح خاکہ جس میں اسلام کے بنیادی تصورات اور اقدار کو ظواہر و شعائر سے الگ کر کے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے جو فرقہ واری اور فقہی مناقشات نیز جدید تعلیم یافتہ افراد کی مذہب سے بیزاری کا سبب ہیں یہ کتاب سائنس اور مذہب میں تصادم کے اسباب ۔ سائنس اور قرآن کا نظریۂ تعلیل ۔ مادی ، حیاتی اور روحانی زندگی کے باہمی اثرات ۔ فطری ، ما فوق الفطری امور اور معجزات ۔ توحید اور صفاتِ الٰہی ۔ اسلامی تصور مملکت کی توضیح ۔ اسلام اور دیگر نظاماتِ فکر کا تقابلی مطالعہ اور حضور سرورِ کائناتؐ اور کارل مارکس کی تعلیمات کا مقابلہ ۔ جیسے عالمانہ مباحث پر مشتمل ہے اور نہایت واضح مدلل اور دلنشین انداز میں لکھی گئی ہے ۔ اسلام کے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے ۔ قیمت ساڑھے آٹھ روپے ۔

ملنے کا پتہ

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ ۲ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور ۔ (پاکستان)